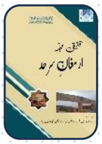

تحقیقی مجلہ ارمغانِ سرحد

pISSN: 3079-904X

eISSN: 3079-9058

(Research Journal: Armaghan-e-Sarhad) (Vol:3, Issue:1, 2026) جلد ۳، شمارہ ۱، جنوری تا جون ۲۰۲۶ء

شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور


# "A Critical Study of Colonial Thought and Bureaucratic Continuity in the Novel Wadi-e-Kohsar"

# ناول "وادیِ کہسار" میں نو آبادیاتی فکر اور افسر شاہی کا تسلسل: تنقیدی مطالعہ


**عمر بادشاہ**

اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج آف منیجمنٹ سائنسز، خار، ضلع باجوڑ

**Umar Badshah**

Assistant Professor, Government College of Management Sciences, Khar, Bajaur



## Abstract:

This article critically examines the colonial mindset and bureaucratic dominance represented in the Urdu novel *Wadi-e-Kohsar*. The study focuses on the conversations between Mirza Sahib and trainee civil servants, through which the novelist exposes the continuity of British administrative ideology in postcolonial society. Although political colonialism formally ended with independence, the novel demonstrates that colonial attitudes continue to shape administrative institutions, social values, and intellectual behavior. The research highlights major themes such as colonial legacy, mental slavery, western dependence, and the persistence of bureaucratic elitism. It argues that the bureaucratic system portrayed in the novel remains deeply influenced by colonial patterns of authority, hierarchy, and governance, creating a gap between state institutions and the common people. The analysis further reveals how educated individuals internalize western standards of culture, language, and success, resulting in a weakened sense of indigenous identity and self-confidence. By portraying colonialism as a psychological and institutional force rather than merely a political system, *Wadi-e-Kohsar* offers a significant postcolonial critique of the subcontinent's administrative and intellectual structures. The article concludes that the novel encourages critical reflection on the enduring impact of colonial ideology and the need for cultural and institutional decolonization.



**Keywords:** Wadi-e-Kohsar, Colonial Mindset, Postcolonial Bureaucracy, Colonial Legacy, Mental Colonialism


نو آبادیات ایک ایسا فکری، سیاسی اور تہذیبی نظام ہے جس کے ذریعے طاقتور اقوام کمزور قوموں پر اپنا تسلط قائم کر کے نہ صرف ان کے وسائل اور اقتدار پر قابض ہوتی ہیں بلکہ ان کی تہذیب، زبان، فکر اور شناخت کو بھی اپنے اثرات کے تابع بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس نظام کے تحت محکوم اقوام کی تاریخ، ثقافت اور سماجی اقدار کو اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ مغربی تہذیب برتر اور مشرقی تہذیب کمتر محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس حوالے سے خالد محمود سانٹیہ لکھتے ہیں:

> "نو آبادیات مشرقی دنیا کو مغربی معیاروں سے جانچنے کا نام ہے۔ اس میں مشرق کی تعبیر مغرب کے علم سے حاصل کی جاتی ہے اور اس تعبیر کی روشنی میں مغرب کا اعلیٰ اور ارفع تصور قائم کیا جاتا ہے (۱)۔

نو آبادیاتی نظام محض سیاسی تسلط یا معاشی استحصال تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر فکری اور تہذیبی عمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو محکوم اقوام کے تعلیمی نظام، سماجی رویّوں، تہذیبی اقدار اور طرزِ فکر پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ استعمار اپنی قوت اور اقتدار کے ذریعے نہ صرف زمینوں اور وسائل پر قبضہ کرتا ہے بلکہ ذہنوں اور فکر کو بھی اپنے تابع بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ڈاکٹر عبد السّتار نیازی کے بقول:

"یہ کوئی الہامی نظام نہیں ہے بلکہ ایک خاص گروہ نے اپنے مذموم مقاصد کے پیش نظر ایک گھمبیر صورتحال پیدا کر کے کسی دوسرے ملک پر تسلط قائم کر کے اپنے قوانین نافذ کرنا ہے اور وہاں کے مقامی باشندوں سے زبردستی اس کی پیروی کرانا ہے۔"(۲)

اسی طرح نو آبادیاتی نظام کی ظالمانہ اور جابرانہ نوعیت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر عبد السّتار نیازی مزید لکھتے ہیں:

"نو آبادیاتی ایک سفاک اور استبدادی رویہ ہے۔ جس میں طاقتور ملک چھوٹے اور کمزور ملکوں پر اپنا تسلط قائم کر کے ان کا سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی استحصال کرتا ہے۔"(۳)

برصغیر میں برطانوی استعمار کے خاتمے کے باوجود نو آبادیاتی اثرات آج بھی ہماری اجتماعی زندگی میں مختلف صورتوں میں موجود ہیں۔ بیوروکریسی، تعلیمی نظام، سماجی اقدار، تہذیبی رویّے اور احساسِ برتری و کمتری جیسے عناصر اب بھی نو آبادیاتی فکر کی جھلک پیش کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"ایشیا و افریقا کے ممالک نے استعمار سے سیاسی و انتظامی آزادی تو حاصل کر لی، مگر ثقافتی آزادی نہیں۔ ان ممالک میں مقامی حکمران تو آ گئے، نئے یا اصلاح شدہ انتظامی ادارے بھی وجود میں لائے گئے، مگر انگریزی، فرانسیسی یا ہسپانوی کا غلبہ بدستور ہے۔۔۔۔۔۔۔ مقامی حکمران، مقامی آبادی کے نمائندہ ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔"(۴)

یہی وجہ ہے کہ اردو ادب، خصوصاً ناول، نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی مباحث کا ایک اہم حوالہ بن چکا ہے۔ اردو ناول نگاروں نے اپنی تخلیقات میں اقتدار کی کشمکش، تہذیبی بحران، ذہنی غلامی، شناخت کے مسئلے اور نو آبادیاتی ذہنیت کے مختلف مظاہر کو فکری اور فنی انداز میں پیش کیا ہے۔

ناول "وادیِ کہسار" بھی اسی تناظر میں اہمیت کا حامل ہے جہاں ناول نگار نے آزادی کے بعد کے ریاستی اور دفتری نظام کو نو آبادیاتی تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ ناول نگار نے سول سروس کی تربیت کے دوران ہونے والی گفتگوؤں کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ برصغیر میں سیاسی آزادی حاصل کرنے کے باوجود نو آبادیاتی فکر، افسر شاہی اور انگریزوں کے قائم کردہ نظام کی گرفت ختم نہیں ہو سکی۔ ناول کے کردار مرزا صاحب استعماری ذہنیت کے نمائندہ کردار ہیں جبکہ اسد بلوچ، الیاس چوہدری اور نتاشا جیسے کردار نئی قومی اور جمہوری فکر کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں۔

مرزا صاحب جب یہ کہتے ہیں:

"مملکتِ ہٰذا کے اصل مامورین اور حکمرانوں! ایک طاقتور بیوروکریسی ہی ملک کو بہتر طریقے سے چلا سکتی ہے۔ یہ حکومت چلانا سیاست دانوں کے بس کی بات نہیں۔(۵)

تو یہ دراصل وہ نوآبادیاتی افسر شاہی کے تصور کو تقویت دیتے ہیں۔ برطانوی استعمار نے برصغیر میں ایسا نظام قائم کیا تھا جس میں اصل اختیار عوامی نمائندوں کے بجائے بیوروکریسی کے پاس تھا۔ مرزا صاحب کی گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ وہ آزادی کے بعد بھی اسی نظام کو مؤثر اور ناگزیر سمجھتے ہیں۔ یہاں نوآبادیاتی فکر کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ہے کہ ریاست کو عوام کی بجائے طاقتور اداروں کے ذریعے چلایا جائے۔

اسد بلوچ جب یہ سوال اٹھاتا ہے:

"سر! اب کہ ہم آزاد ہیں تو ہم اپنے آپ کو عوام کا خادم بنانا ہوگا تاکہ ہمارے عوام آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوسکیں۔"(۶)

تو یہ جملہ آزادی کے بعد پیدا ہونے والے جمہوری شعور کی نمائندگی کرتا ہے۔ مگر مرزا صاحب اس کے جواب میں عوامی خدمت کے بجائے رعب، سختی اور اختیار کو حکمرانی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

"۔۔۔۔ سوال دفتری نظام کے چلانے کا ہے۔۔۔۔ دیکھ لیں کہ آپ لوگوں کو سرکاری احکامات عوام میں نافذ کرنا ہوتے ہیں۔ عوام کا مزاج اس طرح کا ہوتا ہے کہ اگر آپ سنجیدہ رہے اور لہجے میں رعب، سختی اور ٹھہراؤ برقرار رکھیں تو وہ تمہاری ہر بات کی پابندی کریں گے۔"(۷)

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ مرزا صاحب عوام کو باشعور شہری نہیں بلکہ محکوم ہجوم سمجھتے ہیں جسے خوف اور اختیار کے ذریعے قابو میں رکھا جاسکتا ہے۔ یہی نوآبادیاتی حکمرانی کا بنیادی اصول تھا جہاں عوام پر اعتماد کے بجائے ان پر بالادستی قائم رکھی جاتی تھی۔

ناول میں الیاس چوہدری کا سوال نہایت اہمیت رکھتا ہے: وہ پوچھتے ہیں:

" مرزا سر ! اس طرح تو عوام انگریز سرکار اور اپنی سرکار میں کوئی فرق محسوس نہیں کریں گے ؟۔"(۸)

یہ سوال ناول کے مرکزی فکری نکتے کو سامنے لاتا ہے۔ یعنی اگر آزادی کے بعد بھی وہی قوانین، وہی دفتری رویّے اور وہی حاکمانہ طرزِ فکر باقی رہے تو آزادی کا حقیقی مفہوم کیا رہ جاتا ہے؟ الیاس چوہدری دراصل اس نوآبادیاتی تسلسل پر اعتراض کرتا ہے جو آزادی کے بعد بھی جاری ہے۔

مرزا صاحب اس اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں:

"دیکھو! چوہدری، انگریزوں نے یہاں جو نظامِ دفتر تشکیل دیا تھا اس میں ان کے شبانہ روز کے تجربات اور تحقیق و جستجو کو دخل تھا۔ اس لئے اُن کے نظام اور سمجھ بوجھ کو ہم یک دم ختم کیسے کرسکتے ہیں اور نہ اُس کی اہمیت ہی سے کسی طور انکار کرسکتے ہیں۔"(۹)

مقامی افسران کا یہ رویہ اس ذہنی غلامی کی علامت ہے جس میں انگریزی نظام کو کامل اور ناقابلِ تبدیلی سمجھا جاتا ہے۔ مرزا صاحب کے نزدیک مقامی سماج اپنی الگ انتظامی فکر پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لیے انگریزی نظام ہی ناگزیر ہے۔ یہاں ناول نگار اس نفسیاتی کیفیت کو اجاگر کرتا ہے جس میں محکوم قوم سابقہ آقا کے نظام کو برتر سمجھنے لگتی ہے۔

نتاشا کا سوال اس پوری بحث کو مزید گہرا بناتا ہے: جب وہ یہ سوال کرتی ہے کہ:

> "سر! اگر اسی نظام کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے تو پھر ہمیں آزاد ہونے اور اتنی قربانیاں دینے کی کیا ضرورت تھی۔۔؟"(۱۰)

یہ سوال آزادی کے مقصد اور معنویت پر براہِ راست ضرب لگاتا ہے۔ نتاشا یہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ اگر ذہنی اور ادارہ جاتی غلامی برقرار رہے تو سیاسی آزادی بے معنی ہو جاتی ہے۔ مرزا صاحب اس کا روکھا سا جواب دیتے ہیں:

> "محترمہ! انگریز سرکار کے قانون، اصول وضوابط کو برقرار رکھنا بھارت اور پاکستان دونوں کی مجبوری ہے۔ اتنی جلدی انگریزی سرکار کے نظام سے جان چھڑانا ناممکن ہے۔ آپ کے پاس کوئی متبادل ہے ہی نہیں۔"(۱۱)

یہ اقتباس نوآبادیاتی ورثے کی واضح مثال ہے۔ جہاں ناول نگار دکھاتا ہے کہ آزادی کے بعد نئی ریاستیں انگریزوں کے قائم کردہ نظام سے مکمل نجات حاصل نہ کر سکیں اور اسی کو ریاستی استحکام کا ذریعہ سمجھتی رہیں۔

اسی سلسلے میں مرزا صاحب کا یہ جملہ بھی اہم ہے:

> "یورپ پر ہمارا انحصار جاری رہے گا کیوں کہ اب سے ترقی کا سفر وہاں سے شروع کر رہے ہیں جہاں سے ہمیں آزادی ملی ہے لیکن وہ لوگ مسلسل ترقی کر رہے ہیں۔"(۱۲)

یہاں مغرب مرکزیت اور احساسِ کمتری نمایاں ہے۔ ترقی، تہذیب اور نظم و نسق کو صرف یورپ سے وابستہ کرنا دراصل نوآبادیاتی ذہنیت کا تسلسل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزادی کے باوجود فکری سطح پر مغرب کی برتری تسلیم کی جا رہی ہے۔

ناول کے اس حصے میں عثمان بنگالی، نیابت خان، فرزان، نتاشا، زہرا اکمل، ابرار سولنگی، ندیم رانا، ہادیہ بٹ، الیاس چوہدری اور اسد بلوچ جیسے کرداروں کا ذکر خاص معنویت رکھتا ہے۔ یہ کردار صرف انفرادی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ برصغیر کی مختلف قومیتوں، علاقوں اور ثقافتی اکائیوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بنگالی، بلوچ، پنجابی، سندھی اور دیگر شناختوں سے تعلق رکھنے والے یہ نوجوان ابتدا میں آزادی، تبدیلی اور قومی خودمختاری کے حامی دکھائی دیتے ہیں، مگر رفتہ رفتہ وہ سب انگریزوں کے قائم کردہ دفتری اور قانونی نظام کی افادیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔

ناول نگار یہاں یہ واضح کرتا ہے کہ نوآبادیاتی اثرات کسی ایک طبقے یا علاقے تک محدود نہیں رہے بلکہ پورا معاشرہ اس ذہنی اور ادارہ جاتی غلامی کی گرفت میں آ چکا ہے۔ مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے ان کرداروں کا آخر کار ایک ہی نتیجے پر پہنچ جانا اس بات کی علامت

ہے کہ استعمار نے صرف سیاسی اقتدار قائم نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسی فکری ساخت بھی تشکیل دی تھی جس نے پورے برصغیر کی اجتماعی نفسیات کو متاثر کیا۔ اس طرح ناول کا یہ حصہ نو آبادیاتی نظام کی ہمہ گیر طاقت اور ذہنی تسلط کو نہایت مؤثر انداز میں نمایاں کرتا ہے۔

مجموعی طور پر ناول کے اس حصے میں پیش کی گئی یہ بحث آزادی کے بعد بھی جاری رہنے والی نو آبادیاتی ذہنیت، افسر شاہی کی بالا دستی، مغرب پر انحصار اور ذہنی غلامی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ ناول نگار نے مکالموں کے ذریعے اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے کہ حقیقی آزادی صرف سیاسی اقتدار حاصل کرنے سے نہیں بلکہ فکری اور ادارہ جاتی آزادی سے ممکن ہوتی ہے۔

## حوالہ جات


ا۔ خالد محمود سامٹیہ، اختر رضا سلیمی کے ناولوں کا نو آبادیاتی تناظر، اردو، جلد: ۹۶، شمارہ: ۲، کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۲۰۲۰ء، ص ۳۹۔

۲۔ ڈاکٹر عبد الستار نیازی، ڈاکٹر ارشد محمود، نو آبادیاتی نظام کے اثرات اور فکرِ اقبال، محاکمہ، سیالکوٹ: یونیورسٹی آف سیالکوٹ، ص ۸۔

۳۔ ایضاً، ص ۹۔

۴۔ ناصر عباس نیّر، مابعد نو آبادیات: اردو کے تناظر میں، کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء، ص ۳۔

۵۔ ڈاکٹر محمد رفیق، وادیِ کہسار، لاہور: یاسر پبلیکشنز، ۲۰۲۴ء، ص ۱۱۹۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۲۰۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۱۔


## References:


1. Khalid Mahmood Samtiya, "Akhtar Raza Saleemi ke Novelon ka Nuoabadiyati Tanazur," *Urdu*, Jild 96, Shumarah 2, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 2020, p. 39.
2. Dr. Abdul Sattar Niazi and Dr. Arshad Mahmood, "Nuoabadiyati Nizam ke Asraat aur Fikr-e-Iqbal," *Muhakama*, Sialkot: University of Sialkot, p. 8.
3. Ibid., p. 9.
4. Nasir Abbas Nayyar, *Mabaad Nuoabadiyat: Urdu ke Tanazur Mein*, Karachi: Oxford University Press, 2013, p. 3.

5. Dr. Muhammad Rafiq, *Wadi-e-Kohsar*, Lahore: Yasar Publications, 2024, p. 119.
6. Ibid., p. 120.
7. Ibid.
8. Ibid.
9. Ibid.
10. Ibid.
11. Ibid.
12. Ibid., p. 121.